مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ

کی

نعتیہ شاعری

ملک شیر محمد خان اعوان

مرکزی مجلسِ رضا ○ لاہور

سلسلۂ مطبوعات مرکزی مجلس رضا (۶)

مولانا احمد رضا خاںؒ بریلوی علیہ الرحمۃ

کی

نعتیہ شاعری

از

ملک شبیر محمد خاں اعوان آف کالاباغ

مرکزی مجلسِ رضا

لاہور ـــ (پاکستان)

کتابچہ ـــــ مولانا احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری

مولف ـــــ ملک شیر محمد خاں اعوان

پروف ریڈنگ ـــــ جناب محمد عالم مختار حق

مطبع ـــــ وفاق پرنٹنگ پریس لاہور

ناشر ـــــ مرکزی مجلس رضا۔ لاہور

ھدیہ ـــــ دعائے خیر بحق معاونین مجلس رضا

بار اول ـــــ صفر المظفر ۱۳۹۳ھ ہجری

بار دوم ـــــ ذی قعدہ ۱۳۹۳ھ ہجری

بار سوم ـــــ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ ہجری

بار چہارم ـــــ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ ہجری ایک ہزار

بار چہارم کی طباعت الحاج شیخ محمد بشیر صاحب قادری ضیائی آف شیخوپورہ کے تعاون سے ہوئی

ملنے کا پتا

مرکزی مجلس رضا، نوری مسجد، بالمقابل ریلوے اسٹیشن، لاہور

نوٹ: بیرون جات کے اصحاب تیس ۳۰ پیسے کا ٹکٹ بھیج کر طلب کریں

فہرست

انتساب

میرے حبیب لبیب اور ملک کے ممتاز ادیب جناب حافظ مظہر الدین صاحب (جنہوں نے روزنامہ "کوہستان" میں "نشانِ راہ" کا کالم شروع کیا تھا) ایک اہلِ دل صوفی اور سچے عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ میں نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ کے متعلق پڑھا ہے کہ عمر کے آخری حصہ میں جب بھی ان کی زبان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی نکلتا تھا۔ ان کی آواز گلوگیر ہو جاتی تھی اور آنکھوں میں آنسو تیرنے لگتے تھے۔ بلاشبہ یہ عشقِ رسول کا بلند ترین مقام ہے۔ میں نے اس دور میں حافظ صاحب کو بھی ایسا ہی عاشقِ رسول پایا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اِدھر کسی نے آقائے دو جہاں کا نام لیا اور اُدھر ان کی بے قرار آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ ان کے ذکر و فکر کا محور حُبِّ رسول اور صرف حُبِّ رسول ہے۔ وہ ایک عظیم شاعر بھی ہیں مگر ان کا قلم صرف نعتِ رسول سے آشنا ہے۔

میں یہ روحانی تحفہ ان کی خدمتِ اقدس میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

شیر محمد خان

کالا باغ
ضلع میانوالی

تقدیم

از

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں :-

"شاعری ایسا کمال نہیں جس کو مرد آدمی پیشہ بنالے اور اس پر ناز کرے البتہ انسانی ہنروں میں سے ایک ہنر ہے بشرطیکہ صلہ حاصل کرنے اور در بدر پھرنے کا آلہ نہ بنے اور مدح و ہجو دنیا کمانے کیلئے نہ کہے ورنہ گداگری کی ایک صورت ہے اور طماعی و بدنفسی کی دلیل" (نالۂ درد، ص - ۲۸)

بہت کم شعرا اس معیار شاعری پر پورے اترتے ہیں — ان شرائط کا تعلق گو براہ راست فن شاعری سے نہیں، سیرت و کردار سے ہے لیکن اسلام میں سب سے بڑا فن تعمیر سیرت ہی ہے، مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ اس راز سے واقف تھے۔ انہوں نے اپنی محبت صادقہ کو طلب و آرزو اور مدح و ہجو سے رسوا نہ کیا اور اگر کبھی کہا بھی گیا تو ایسا جواب دیا جو تاریخ عزیمت میں یادگار رہے گا ؎

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے صرف اور صرف محبوب رب العالمین کے آگے سر نیاز خم کیا۔ ع ـــــ کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ـــــ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللہ ایسا محبوب ملا جو کسی کو نہ ملا ہوگا اور پھر پستی و دناءت کا حال یہ ہے کہ اُسی سے بیوفائی اور عاشقان مجازی سے وہ وفا شعاری کہ بس دیکھا کیجیے! ـــــ ہماری پوری اردو شاعری اسی داغ سے داغدار ہے، مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کا اردو شاعری اور اردو شاعروں (بالخصوص مسلمان شاعروں) پر احسان عظیم ہے کہ انہوں نے اس داغ کو دھو ڈالا ورنہ غالب خستہ مرحومین شعراء کی زبان بن کر ایک نئے معنی و مفہوم کے ساتھ یہ شعر پڑھ رہا تھا ؎

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوب برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا

حالی کو جب خدا نے عقل دی تو محبت و عشق کی اس رسوائی کا ان کو احساس ہوا، ندامت و شرمساری سے سر جھک گیا اور یوں اعترافِ حقیقت کیا :-

"جب آفتاب عمر نے پلٹا کھایا تو حقیقت نما سیمیائی جلوے رفتہ رفتہ کافور ہو گئے غزل و تشبیب کی امنگ، انفعال کے ساتھ بدل گئی اور جس شاعری پر ناز تھا اس سے شرم آنے لگی"

مولانا احمد رضا خاں کا زمانہ غزلیہ شاعری کا زمانہ تھا جس نے مسلمانوں کے انحطاط میں ایک اہم کردار ادا کیا یا یوں کہیے کہ یہ ہمارے دورِ انحطاط کی "عزیز" یادگار ہے ـــــ مولانا احمد رضا خان نے ایک طرف فضلائے شعر کے اس تکدر کو دور کیا۔ اور دوسری طرف مسلمانوں کے دل کو محبوبانِ مجازی سے ہٹا کر محبوب حقیقی کے دامن سے وابستہ کر دیا۔ سیاسی اور مذہبی سطح پر پیدا ہونے والی بے دلی کو شعر و سخن سے وہ زندگی بخشی کہ بس دیکھا کیجیے۔ پاک و ہند کے طول و عرض میں انکے

کلام تبسّم بیان کی گونج سنی گئی، ہاں یہ ایک کرشمۂ محبت تھا ؎

ایک ہی جست میں لی منزلِ مقصود اس نے

راہ رو رشک کی جا ہے سفرِ پروانہ

مولانا محمد علی جوہر نے علامہ اقبال کے لئے کہا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے دل قرآن کی طرف پھیر دیئے لیکن مولانا احمد رضا خاں کا اعجازِ شاعری یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے دل صاحب قرآن کی طرف پھیر دیئے ——— نعتیہ شاعری کا کمال یہ ہے کہ اس سے شاعر کے کمالِ فن کا نہیں کمالِ عشق کا سکّہ دل پر بیٹھ جائے ——— شاعر شاگرد ہوا کرتے ہیں مگر عاشق شاگرد نہیں ہوا کرتے۔ ع

یہ درد عطا جب ہوتا ہے جب خاص عنایت ہوتی ہے

مولانا احمد رضا خاں فن شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے، وہ عاشقِ صادق تھے، فیضانِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ کچھ دیا کہ بس سوچا کیجیے! ـــــ

——— (۲) ———

اردو شعرا نے حمد و نعت میں بہت کم کہا ہے، تقریباً نہ کہنے کے برابر ——— حمد و نعت کا ایک ایک شعر تبرکاً کہا جاتا تھا (اور اگر اس کو تبرک نہ سمجھا جائے تو پھر وہ کسی گنتی میں نہیں) ——— جن شعرا کا مسلک شعائرِ اسلام کے ساتھ ہنسی و دل لگی ہو اور جنہوں نے محرماتِ شرعیہ کی ترغیب و تشویق کے لئے کیا کچھ نہ لکھا ہو، ان سے نعت گوئی کی توقع رکھنا خیالِ خام نہیں تو اور کیا ہے؟ ——— شعر و شاعری کی اس مکدّر فضا کو خواجہ میر درد علیہ الرحمہ نے مصفّٰی و مزکّٰی کیا اور عشق و محبت کے سچے جذبات سے اردو شاعری کو روشناس کیا اور یہ پیش گوئی فرمائی ؎

پھولے گا اس زباں میں گل زار معرفت

یاں میں زمینِ شعر میں یہ تخم بو گیا

مولانا احمد رضا خاں" اس "گل زار معرفت" کے لئے نسیم سحری بن کر آئے، بلاشبہ اگر وہ نہ آتے تو اس گلشن پر یہ بہار نہ آتی ؂

ہے مجھ سے گریبان گل صبح معطر

میں عطر نسیم چمن و بادِ صبا ہوں

خواجہ میر درد علیہ الرحمہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بہت کم کہا ہے لیکن جو کچھ کہا ہے انتخاب کہا ہے ـــــ مگر اس انتخاب کا تعلق زیادہ تر غزلیات سے ہے اور غزلیات میں انتخاب کہنا کچھ اتنا زیادہ مشکل نہیں جتنا نعتوں میں انتخاب کہنا ـــــ مولانا احمد رضا خاں کے متعلق بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بہت کم نعتیں کہیں مگر نعتیں ہی کہیں اور جتنی بھی کہیں انتخاب کہیں۔

ـــــ (۳) ـــــ

پیشِ نظر مقالے میں فاضل مقالہ نگار محترم و مکرم ملک شیر محمد خاں اعوان آف کالا باغ نے مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کی نعتیہ شاعری پر اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا ہے۔ اس مقالے میں ہوش و خرد اور عقل و شعور سے زیادہ عشق و محبت کی کار فرمائی ہے ـــــ ملک صاحب نے تمہید میں عربی فارسی اور اُردو نعت گو شعراء کا ذکر فرما کر مقالے کو زیادہ وقیع بنا دیا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کا تعارفی خاکہ بھی شامل کر دیا ہے نیز ان کی نعتیہ شاعری کے متعلق اپنے اور بیگانوں کی آراء بھی تحریر کر دی ہیں جس سے مولانا احمد رضا خاں کی ہمہ گیر مقبولیت کا

اندازہ ہوتا ہے اس کے بعد نعتیہ کلام کے نمونے پیش کر کے اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

اس مقالے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ خود مقالہ نگار کی والہانہ محبت و عشق کا آئینہ دار ہے۔ انتخاب اور پھر حسن انتخاب سے انتخاب کرنے والے کی دل کی گہرائیوں میں اترا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح نعت گوئی کے لئے عشق و محبت شرط اول ہے۔ اسی طرح اس موضوع پر قلم اٹھانے والے کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ چشیدۂ محبت ہو، اس کا دل خالی نہ ہو۔

یہ مقالہ مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی کی ایک جھلک پیش کر رہا ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی صاحب فن اور اہل قلم و اہل دل مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری پر قلم اٹھائے، ایک مبسوط مقالہ لکھ کر ایک ایک خوبی کو اجاگر کرے اور ادب نوازی کا حق ادا کرے، خدا کرے کہ یہ مقالہ اس کے لئے محرک ثابت ہو۔ آمین!

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

گورنمنٹ کالج۔ ٹنڈو محمد خاں (سندھ)

۲۶ نومبر ۱۹۷۲ء

اعتراف

از

مولانا ماہر القادری

مولانا احمد رضا خاں بریلوی مرحوم —— دینی علوم کے جامع تھے۔ یہاں تک کہ ریاضی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے، دینی علم و فضل کے ساتھ شیوہ بیان شاعر بھی تھے اور ان کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ مجازی راہِ سخن سے ہٹ کر صرف "نعت رسول" کو اپنے اذکار کا موضوع بنایا مولانا احمد رضا خاں کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا بڑے خوش گو شاعر تھے اور مرزا داغ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جہاں استاد مرزا داغ کو حسن بریلوی نے سنایا تو داغ نے بہت تعریف کی اور فرمایا:۔

"مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے"

(ماہنامہ فاران کراچی ستمبر ۱۹۷۳ء ص ۴۴ و ۴۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

خدائے لم یزل ولا یزال کے بعد صفحۂ ارضی پر سب سے زیادہ جس ہستی کی توصیف و منقبت کی گئی ہے وہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات والا صفات ہی ہے۔ اس میں کسی مذہب و ملت کی کوئی تخصیص نہیں۔ غیر مسلم تک سیدِ دو عالم کی شان میں رطب اللسان ہیں۔ نعت گوئی کا آغاز کب سے ہوا؟ اس کا کسی سنہ سے تعین کرنا مشکل ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ اسلام کے ابتدائی دَور سے اس کا سکّہ رائج ہو چلا تھا۔ عرب کے نعت گویوں کے امام اوّلین حضرت حسّان بن ثابت (رضی اللہ عنہ) کے نام سے کون ناواقف ہے جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف میں اشعار کہا کرتے تھے اور خود دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر سناتے اور خوشنودی مزاج کا شرف حاصل کرتے تھے۔ حضرت حسّان رضی اللہ عنہ کے وہ لافانی اشعار جن کو عشّاقِ نبوّت پڑھنا بھی ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ اہل ذوق احباب کو حظ ہوں گے۔

وَاَحْسَنَ مِنْکَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنِیْ
وَاَجْمَلَ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ
کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

یعنی حضورؐ سے بڑھ کر حسین و جمیل چہرہ میری آنکھوں نے آج تک نہیں دیکھا ،

حضورؐ سے اچھا اور برتر انسان کسی عورت نے کبھی نہیں جنا ،

حضورؐ ہر عیب سے پاک وصاف پیدا کئے گئے ہیں

حضورؐ گویا جس طرح آپ چاہتے تھے اسی طرح آپ کی تخلیق کی گئی ۔

حضرت حسّان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ ، حضرت کعب ابن زہیر رضی اللہ عنہما اور امام بوصیری رحمہ اللہ کا نام نامی ہے ۔ توصیفِ رسول میں امام بوصیری کے شہرۂ آفاق قصیدہ کی عظمت و شوکت محتاجِ بیان نہیں ، بلاشبہ فصاحت و بلاغت کی رو سے بھی یہ نعتیہ شاہکار اپنی مثال آپ ہے ۔ عجمی تو کجا کوئی عربی بھی آج تک ایسا قصیدہ نہیں لکھ سکا جو حسنِ بیان میں اس کا حریف ہو ۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس کی بے شمار شرحیں عربی فارسی اور اردو میں لکھی گئی ہیں ۔ شارحین میں علامہ تفتازانی ، فاضل زرکشی ، امام جلال الدین محلی صاحبِ تفسیر جلالین ، مفسر بیضاوی ، امام احمد خفاجی ، محی الدین شیخ زادہ اور امام قسطلانی شارح بخاری ایسی عظیم شخصیتیں شامل ہیں ۔ صرف شارحین ہی نہیں جب کسی عالم فاضل کے سامنے منقبت رسول کا موضوع آتا ہے تو قصیدہ بردہ کا حوالہ دیئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ نامور شیعی فاضل جسٹس سید امیر علی نے اپنی مشہور عالم تصنیف " اسپرٹ آف اسلام " میں اس قصیدہ کے اشعار درج کئے ہیں ، برصغیر پاک و ہند کے مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں کہ :-

" بوصیری کا مشہور قصیدہ بردہ ہے .... اس کا ہر شعر درد و سوز سے بھرا ہے ۔ راقم اپنی وہابیت کے باوجود اسے پڑھتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے "

(دیارِ عرب میں چند ماہ صفحہ نمبر ۳۱۴)

سچ تو یہ ہے کہ یہ قصیدہ جب سے لکھا گیا ہے۔ اس وقت سے اب تک اس کا سوز کم نہیں ہوا۔ اہل دل نے اس کو پڑھنا اور تلاوت کرنا اپنا معمول بنایا۔ اس قصیدہ کے دو شعر نبرکاً درج کئے جاتے ہیں۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ
يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِيْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمِمِ

یعنی اے سیّدِ دو عالم! دنیا و آخرت آپ کے دریائے جود سے ایک قطرہ ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علم کا ایک حصّہ ہے۔

اے سرورِ مخلوقات! آپ کے سوا کون ہے سخت مصیبتوں میں جس کی پناہ لے سکوں۔

جب آفتابِ اسلام کی شعاعیں سرزمین ایران میں پہنچیں اور وہاں کے اربابِ شعر و سخن نے نظم گوئی کی طرف توجہ کی تو نعت میں قابلِ قدر گل فشانیاں کی گئیں۔ ان صاحبانِ علم و فضل میں جامی، سعدی، رومی اور قدسی رحمہم اللہ کے نام زیادہ روشن ہیں جن کی اکثر لافانی نعتیں اہلِ درد کی مجالس و محافل میں ذوق و شوق سے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔ خصوصاً حاجی جان محمد قدسی کی ایک نعت تو محبانِ رسول کی زبان پر ہے جس کا مطلع ہے ؎

مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

قدسی رحمہ اللہ نے خدا جانے کس ساعت سعید میں اور کس والہانہ کیفیت میں یہ نعت کہی تھی کہ عاشقانِ رسول کے دل میں اتر جاتی ہے اور مطلع سنتے ہی دل جوشِ عقیدت میں تڑپنے لگتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں جوں جوں اسلام کا اثر و نفوذ بڑھتا گیا مقامی شاعری میں نعت ایک مستقل موضوع کے طور پر شامل ہوتی گئی۔ اردو میں ابتدا کب سے ہوئی ؟ اس موضوع پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ نثر نگاری کا قلیل زمانہ گذر جانے کے بعد نظم گوئی کا دور نویں صدی ہجری میں شروع ہو گیا تھا جس سے اب تک قریباً ساڑھے پانچ سو سال گذر چکے ہیں۔

اردو میں کرامت علی شہیدی، شاہ نیاز بریلوی، امیر مینائی، حالی، اکبر الہ آبادی محسن کاکوروی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، اصغر گونڈوی، بیدم شاہ وارثی، علامہ اقبال مولانا ظفر علی خاں، مولانا حسرت موہانی، سیماب اکبر آبادی، اقبال احمد سہیل احسان دانش حفیظ جالندھری، بہزاد لکھنوی، زائر حرم حمید صدیقی، حافظ مظہر الدین، ضیاء القادری بدایونی، اثر صہبائی، محشر رسول نگری، حفیظ تائب، عبدالکریم ثمر، انجم وزیر آبادی ماہر القادری۔ نعیم صدیقی، عبدالعزیز خالد[۱] وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ صحبت امروزہ میں اردو کے متذکرہ عظیم نعت گو شعراء میں سے صرف اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی نعت نبی اور حبِ نبی کے باب میں گفتگو مقصود ہے جن کی نعتیہ شاعری کا مقام بہت بلند ہے۔ محبت رسول میں سرشار شاعر خون کے آنسو رونا اور اشک گلگوں سے اپنا منہ دھوتا ہے۔ لاریب مولانا احمد رضا خاں عظیم عالم، عظیم مفسر، عظیم محدث، عظیم فقیہ اور عظیم مصنف تھے لیکن میرے نزدیک ان سب درجات سے بلند ان کا یہ درجہ ہے کہ وہ عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے۔ ان کی زندگی کا مطمح نظر ان کی دعوت کا مقصد ان کے پیغام کا محور و مرکز حبِ رسول اور صرف حبِ رسول تھا۔

---

[۱] نیز حسن رضا بریلوی، بیان و یزدانی میرٹھی، مولانا بیدل سہارنپوری، رضوان مراد آبادی، کیف ٹونکی، حافظ پیلی بھیتی، غریب سہارنپوری، منور بدایونی، عیش بدایونی، وغیرہ ظہور

تعارف

مولانا احمد رضا خان علمائے حق کے ایک ممتاز خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ مولانا کے سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ مولانا کے آباؤ اجداد نے اپنے دور میں تحفظِ ناموسِ رسالت کیلئے قلمی اور لسانی جہاد میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا — مولانا احمد رضا خان کو جذبۂ حبِ رسول ورثہ میں ملا تھا۔ جب مولانا نے شعور کی آنکھیں واکیں تو ان کے کانوں نے اپنے گھر میں منعقدہ میلاد النبی کی حقانی مجالس میں حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کی گونج سنی — اسی خاندانی اور روحانی ماحول کا یہ اثر تھا کہ عالم طفولیت ہی سے مولانا کے دل میں حبِ رسول کا جذبہ ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ مولانا سے متعلق مولانا بدرالدین احمد قادری رضوی رقمطراز ہیں کہ:

"چھ سال کی عمر میں ربیع الاوّل شریف کی تقریب میں منبر رسول پر رونق افروز ہو کر بہت بڑے مجمع کی موجودگی میں میلاد شریف پڑھا۔" (سوانح اعلیٰحضرت امام احمد رضا صفحہ)

مولانا احمد رضا خان غیر معمولی ذہانت و قابلیت کے اعتبار سے عبقری (GENIUS) تھے یہ امر مسلّم ہے کہ ذہانت و فطانت ایک دولتِ خداداد ہے جو محنت یا کسب سے تعلق نہیں رکھتی ہے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا احمد رضا خان نے تیرہ سال دس مہینے کی عمر میں جملہ علوم دینیہ وعقلیہ کی تکمیل کر کے سندِ فراغ حاصل کر لی اور مسندِ افتار پر فائز ہو گئے اور اپنی زندگی درس وتدریس تصنیف وتالیف اور تبلیغ دین اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف و منقبت کے لئے وقف کر دی۔

مولانا احمد رضا خان ایک جامع کمالات شخصیت تھے جہاں وہ مفسّر، محدّث اور فقیہ تھے وہاں وہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے لیکن آپ نے سارا زورِ سخن نعت کے میدان میں صرف کیا۔ آپ کی زبان اہل دنیا کی منقبت سے کبھی آلودہ نہیں ہوئی۔ مولانا کا اسلوب بیان دوسرے شعراء سے بالکل منفرد ہے ع

عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

اردو زبان جب تک زندہ ہے مولانا کے نعتیہ اشعار کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی تمام نعتیں کیف واثر کی ایک دنیا اپنے اندر پنہاں رکھتی ہیں۔ مولانا تحدیث نعمت کے طور پر اپنے متعلق کہتے ہیں اور بالکل صحیح ودرست کہتے ہیں ؎

مُلکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم

جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

مولانا احمد رضا خان کی نعت گوئی کے متعلق حضرت محدّث کچھوچھوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:۔

"اعلیحضرت کے حمد ونعت کا ایک مجموعہ کئی حصوں میں شائع ہو چکا ہے جس کا ایک ایک لفظ خود مست ہے اور سننے والوں کو مستی عطا کرتا رہتا ہے۔ ایک مرتبہ لکھنؤ کے ادیبوں کی ایک شاندار محفل میں اعلیحضرت کا قصیدہ معراجیہ مَیں نے اپنے انداز میں پڑھا تو سب جھومنے لگے۔ مَیں نے اعلان کیا کہ اردو ادب

کے نقطۂ نظر سے میں ادیبوں کا فیصلہ اس قصیدہ کی زبان کے متعلق چاہتا ہوں تو سب نے کہا کہ اسکی زبان تو کوثر کی دھلی ہوئی ہے ۔ اس قسم کا ایک اور واقعہ دہلی میں پیش آیا تو سر آمد شعراء دہلی نے جواب دیا کہ ہم سے کچھ نہ پوچھئے آپ عمر بھر پڑھتے رہیئے ہم عمر بھر سنتے رہیں گے ۔" (مجدد اسلام مرتبہ مولانا نسیم بستوی صفحہ ۱۶۴)

مولانا احمد رضا خاں کے مکتبۂ فکر سے اختلاف رکھنے والے بھی مولانا کی نعتیہ شاعری کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، چنانچہ جناب افتخار احمد اعظمی لکھتے ہیں کہ :۔

"احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک سے اختلاف ممکن ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ غیر معمولی ذہین اور متبحر عالم تھے ۔ وہ عالم دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے اس لئے انکی شاعرانہ تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی حالانکہ ان کا نعتیہ کلام اس پایہ کا ہے کہ انہیں طبقۂ اولیٰ کے نعت گو شعراء میں جگہ دی جانی چاہیئے انہیں فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل ہے ، ان کے یہاں تصنع اور تکلف نہیں بلکہ بے ساختگی ہے ۔ چونکہ رسول پاک سے انہیں بے پناہ محبت اور عقیدت تھی اس لئے ان کا نعتیہ کلام شدتِ احساس کے ساتھ ساتھ خلوصِ جذبات کا آئینہ دار ہے ۔" (ارمغانِ حرم صفحہ ۱۴)

مولانا احمد رضا خان کی نعتوں میں جذبۂ دل کی بے ساختگی ، الفاظ کی برجستگی اور خیال کی رعنائی پائی جاتی ہے ۔ ان کے کلام میں تکلف یا تصنع کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا ، ان کا تمام نعتیہ کلام بے ساختگی اور آمد کا آئینہ دار ہے ۔ ان کا نعتیہ کلام پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کا دل محبتِ رسول کا بحرِ عمیق ہے جس سے نعتیہ مضامین موجوں کی طرح ابھرتے اور ہر موج اپنے زور سے لہراتی ہوئی ایک موزوں قافیے کے ساحل تک پہنچ جاتی ہے ۔

مولانا احمد رضا خاں کی فکرِ سخن کی کیفیت سے متعلق ان کے سوانح نگار مولانا بدر الدین احمد لکھتے ہیں کہ :۔

"آپ عام اربابِ سخن کی طرح صبح سے شام تک اشعار کی تیاری میں مصروف نہیں رہتے تھے بلکہ پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد تڑپاتی اور دردِ عشق آپ کو بے تاب کرتا تو از خود زبان پر نعتیہ اشعار جاری ہوتے اور پھر یہی اشعار آپ کے سوزشِ عشق کی تسکین کا سامان بن جاتے چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تڑپاتی ہے تو مَیں نعتیہ اشعار سے بے قرار دل کو تسکین دیتا ہوں ورنہ شعر و سخن میرا مذاقِ طبع نہیں ——" (سوانح اعلیحضرت امام احمد رضا صفحہ ۲۶۰)

یہ ایک ناقابلِ ابطال حقیقت ہے کہ نعت گوئی بڑا مشکل فن ہے ۔ عرفی کہتا ہے کہ ؎

عرفی مشتاب ! کیں رہِ نعت است نہ صحرا
آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را

معاملے کی نزاکت واضح کرنے کیلئے یہ بھی ایک پیرائیہ بیان ہے حقیقت حال پر نظر رکھی جائے تو نزاکت اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے شہنشاہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمان کی محبت و عقیدت کا اندازہ نہیں ہو سکتا ۔ جس صاحب نے کہا تھا کہ ع

با خدا دیوانہ باش و با مصطفےٰ ہشیار باش

وہ جانتے تھے کہ نعت کہنا کس قدر مشکل کام ہے اور کس قدر احتیاط کا متقاضی ہے ۔
خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو دیوانگیٔ محبت کے عالم میں بھی حدود کی نگہداشت کا رشتہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ۔ اس لئے حقیقی محبت وہی ہے جو محبوب کے ارشاد فرمائے ہوئے

قواعد سے بال برابر بھی اِدھر اُدھر نہ ہونے پائے۔ اس راہ کی مشکلات کا ذکر خود مولانا احمد رضا خان کی زبان سے سنیئے :۔

"حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔" (الملفوظ حصہ دوم ص۴)

مولانا احمد رضا خاں کو نعت گوئی کے صلے میں عالم بیداری میں زیارت رسول کا شرف حاصل ہوا۔ چنانچہ مولانا کے سوانح نگار مولانا بدر الدین احمد لکھتے ہیں کہ :۔

"مولوی سیّد شاہ جعفر میاں خطیب جامع مسجد کیپو رتھلہ نے اپنے والد صاحب کے عرس کے موقع پر بیان کیا کہ اعلیحضرت جب دوسری مرتبہ زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو شوقِ دیدار میں روضہ شریف کے مواجہہ میں درود شریف پڑھتے رہے اور یقین کیا کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ...... بالمُواجھہ زیارت سے مشرف فرمائیں گے لیکن پہلی شب ایسا نہ ہوا تو ایک غزل لکھی جس کا مطلع یہ ہے

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تِرے دن اے بہار پھرتے ہیں

یہ غزل مُواجھہ اقدس میں عرض کر کے انتظار میں مودّب بیٹھے تھے کہ قسمت جاگ اٹھی اور چشم سر سے بیداری میں زیارت حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہوئے ــــــــــــــــ"

(سوانح اعلیحضرت امام احمد رضا صفحہ ۲۲۸)

بارگاہ نبوی میں مولانا احمد رضا خان کی مقبولیت سے متعلق ایک اور واقعہ بھی سن لیجئے۔ مولانا کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ :۔

"ایک شامی بزرگ دہلی تشریف لائے انہوں نے بتایا کہ مجھے ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو خواب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت نصیب ہوئی دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں صحابہ کرام حاضر دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کسی کا انتظار ہے۔ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی فداک ابی وامی! کس کا انتظار ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ احمد رضا کا انتظار ہے میں نے عرض کی احمد رضا کون ہے؟ حضور نے فرمایا ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا مولانا احمد رضا خان صاحب بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور بقید حیات ہیں مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا میں ہندوستان کی طرف روانہ ہوا جب بریلی پہنچا تو معلوم ہوا ٹھیک اسی روز (۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ) ان کا انتقال ہو گیا۔"

(سوانح اعلیحضرت امام احمد رضا صفحہ ۲۹۲)

ان ہر دو واقعات سے مولانا احمد رضا خاں کی دربار رسالت میں مقبولیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ مقبولیت کیوں نہ ہو جبکہ مولانا احمد رضا کی زبان پر صبح و شام یہ ورد جاری رہا ؎

یا الٰہی جب رضا خواب گراں سے سر اٹھائے
دولت بیدار عشق مصطفیٰ کا ساتھ ہو

نعتیہ شاعری

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان قدس سرہٗ کا مجموعہ کلام " حدائق بخشش " کے نام سے موسوم ہے۔ جس کا بڑا حصہ نعتِ رسول پر مشتمل ہے۔ کتنی ہی عرق ریزی اور دیدہ کاوی سے انتخاب کیا جائے لیکن وہ ان پر ظلم ہوگا کہ کن اشعار کو لیجئے اور کن کو چھوڑیئے۔ یہ ایک لاینحل مسئلہ ہے۔ قوت انتخاب درماندہ ہو جاتی ہے۔ اس سے قطع نظر بھی ممکن نہیں لہٰذا ذیل میں زیادہ سے زیادہ اختصار کے ساتھ کلام رضا کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

" حدائق بخشش " کی پہلی نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ شعر و ادب کی کونسی دلکشی ہے جو ان میں جلوہ گر نہیں۔ مطلع کے دوسرے مصرعے میں " نہیں " کی تکرار صنعتِ لفظی کی کیسی عمدہ مثال ہے اور پھر یہ دیکھئے کہ سارا زور لفظی صنائع پر صرف نہیں کیا بلکہ اشعار میں عشق و محبت کے والہانہ جذبات کو اس طرح سمویا گیا ہے کہ ایک ایک لفظ میں شاعر کا دل دھڑکتا نظر آتا ہے ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرا تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرّا تیرا

فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

مولانا احمد رضا خاں کے تذکرہ نگار رقمطراز ہیں کہ جب مولانا دوسری مرتبہ حج پر گئے تو زیارت نبوی کی تمنا میں روضۂ اقدس کے سامنے بڑی دیر تک ہدیۂ صلوٰۃ و سلام پیش کرتے رہے مگر پہلی رات یہ سعادت نصیب نہ ہو سکی بے قرار ہو کر درج ذیل اشعار کہے۔ مطلع کے تیور ملاحظہ کیجئے بہار کو جانِ بہار پر کس طرح نثار کیا ہے اور پھر مقطع میں عاجزی کی وہ کیفیت ہے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاعر فنا فی الرسول ہو چکا ہے کہتے ہیں کہ عشق میں سپردگی کی کیفیت سب سے زیادہ میر کے ہاں پائی جاتی ہے مگر اس نے بھی کبھی اپنے آپ کو "کتا" نہیں کہا۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ نے اپنی مشہور نعت میں بلاشبہ موتی پروئے ہیں اور فنا فی الرسول ہو کر نعت کہی ہے، لیکن عاجزی کا صرف یہ اعتراف کیا ہے کہ میں کجا اور حضور کی تعریف کجا ؎

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا　　گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

مولانا کے احساسات ملاحظہ ہوں ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں
کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

مولانا کے سوانح نگاروں کا کہنا ہے کہ عاجزی وانکساری کی اس انتہا پر محبوب اقدس کو رحم آگیا اور رخ انور سے نقاب اٹھا کر تجلیات وانوار کا دیدار کرایا۔ اس موقع پر دیکھئے مولانا کا قلم مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ایسا انداز اختیار کرتا ہے کہ اشعار شبنم سے دھلے ہوئے پھولوں کا عطر آگیں خزانہ معلوم ہوتے ہیں۔ آخری شعر میں یاد حبیب کو علاج غم سے تعبیر کرکے تمام شعراء کے عام جذبات کی مخالفت کی ہے لیکن یہ کتنی بڑی حقیقت کا اظہار ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد زخم جگر کے اندمال کا باعث بنتی ہے اور غمِ دوراں کی تمام چوٹیں عاشق کو بھول جاتی ہیں ؎

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل دیئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں
جب آگئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں
جلتے بجھا دیئے ہیں روتے ہنسا دیئے ہیں
ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں

مولانا نے حج سے واپسی پر وارداتِ قلب کا اظہار درج ذیل اشعار میں فرمایا اور بلاشبہ ایک ایک لفظ اضطراب اور اضطرار کا مرقع ہے ؎

خراب حال کیا دل کو پُر ملال کیا
تمہارے کوچہ سے رخصت نے کیا نہال کیا

نہ روئے گل ابھی دیکھا نہ بوئے گل سونگھی
قضا نے لا کے قفس میں شکستہ بال کیا

نہ گھر کا رکھا نہ اس در کا ہائے ناکامی
ہماری بے بسی پہ بھی نہ کچھ خیال کیا

درج ذیل اشعار میں حضور کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے معجزات کو کس خوبی سے تلمیحات کے پیرایہ میں ادا کیا ہے اور پھر قافیہ کتنا مشکل ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا شاعر بھی اس میں طبع آزمائی کرے تو قافیہ تنگ ہو جائے مگر مولانا کے اشعار دیکھئے کہیں قافیہ کی تکرار نہیں ہوئی ہے

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجہ چر گیا

بڑھ چلی تیری ضیاء اندھیر عالم سے گھٹا
کھل گیا گیسو تیرا رحمت کا بادل گھر گیا

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا

وہ کہ اس در کا ہوا خلق خدا اس کی ہوئی
وہ کہ اس در سے پھرا اللہ اس سے پھر گیا

اللہ اللہ یہ علو خاص عبدیت رضا
بندہ ملنے کو قریب حضرت قادر گیا

مولانا نے غزل کے رنگ میں اضطراب روح کا اظہار درج ذیل اشعار میں کیا ہے زمین غالب کی ہے مگر جن قافیوں کو غالب نے اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ اچھی طرح نبھ نہیں سکینگے مولانا نے انہیں کس خوبصورتی سے نبھایا ہے۔ خاص طور پر مطلع میں "کھائے" کے قافیے کو دیکھئے۔ شعر جذب وکیف کا کتنا حسین امتزاج ہے۔ غالب نے کہا تھا ؎

درد منت کش دوا نہ ہوا　　　　میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

شعر اپنی جگہ لاجواب ہے مگر اس میں مجبوری پائی جاتی ہے۔ غالب دوا کی ناز برداری تو کر چکا مگر چونکہ صحت نہیں ہوئی اس لئے درد کا منت کش ہونے سے بچ گیا مگر اس عاشق رسول کو دیکھئے کہ یہ دوا کا ناز اٹھانے پر بھی تیار نہیں۔ الٹا اسے درد میں مزہ آتا ہے اور یہ کوئی عام چیز نہیں۔ احسان دانش نے کہا تھا ؎

غم میں لذت، درد میں راحت، نہیں بچوں کا کھیل
آنسوؤں میں دل کے ٹکڑوں کا اضافہ کیجئے

میں زیادہ دیر مولانا اور آپ کے درمیان حائل نہیں رہنا چاہتا۔ ان کے اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

رخصت قافلہ کا شور غش سے ہمیں اٹھائے کیوں
سوتے ہیں ان کے سایہ میں کوئی ہمیں جگائے کیوں

دیکھ کے حضرتِ غنی، پھیل پڑے فقیر بھی
چھائی ہے اب تو چھاؤنی حشر ہی آ نہ جائے کیوں

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

ہم تو ہیں آپ دلفگار غم میں ہنسی ہے ناگوار
چھیڑ کے گل کو نوبہار خون ہمیں رلائے کیوں

سنگِ درِ حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جاچکے دل کو قرار آئے کیوں

ذیل کے اشعار شوکتِ الفاظ، معنویت، کیف و اثر اور مولانا کے تبحرِ علمی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں، بحر کتنی مشکل ہے مگر مولانا نے اسے کس خوبی سے نبھایا ہے۔ مقطع میں کوئی تعلّی نہیں بلکہ ایک صحیح حقیقت کا اعتراف اور تحدیث نعمت ہے ؎

ہے کلامِ الٰہی میں شمس و ضحےٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسم شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم

ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا تری خَلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

ترا مسند ناز ہے عرشِ بریں ترا محرمِ راز ہے روحِ امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا، ہے تجھی پہ بھروسہ تجھی سے دُعا
مجھے جلوۂ پاکِ رسول دکھا، تجھے اپنے ہی عزّ و علا کی قسم
یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبعِ رضاؔ کی قسم

مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جانے کی دعوت دیتے ہوئے جذب و کیف کے جذبات سے سرشار ہوجاتے ہیں اور اشتیاقِ دید میں بے قرار ہوکر پکار اٹھتے ہیں ؎

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو — کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو
رکنِ شامی سے مٹی وحشتِ شامِ غربت — اب مدینہ کو چلو صبحِ دل آرا دیکھو
آبِ زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں — آؤ جودِ شہِ کوثر کا بھی دریا دیکھو
زیرِ میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے — ابرِ رحمت کا یہاں زور برسنا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلافِ کعبہ — قصرِ محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو
اوّلیں خانۂ حق کی تو ضیائیں دیکھیں
آخریں بیتِ نبی کا بھی تجلّا دیکھو

مدینہ منورہ کو کعبے کا کعبہ کہنا بالکل بجا ہے۔ صرف لفظی بازیگری نہیں۔ دوسرے شعر میں "رکنِ شامی" کے ساتھ "وحشتِ شامِ غربت" کی ترکیب صنعت الفاظ کا اعجاز ہے اور پھر آخری شعر میں قرآنِ حکیم کی اس آیت کی طرف کس حسن سے تلمیح کی گئی ہے ؎

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا

(سب سے پہلا گھر جو نسلِ انسانی کے لئے مقرر کیا گیا مکہ مبارکہ میں ہے)

واقعہ معراج شعراء کا محبوب موضوع رہا ہے۔ مولانا نے بھی اس میدان میں

طبع آزمائی کی اور اپنی طبع رواں کے خوب جوہر دکھلائے ہیں۔ بحر لمبی اور مشکل ہے لیکن مولانا کے حسنِ بیان نے اُسے آسان کر دیا ہے۔ پوری نظم موسیقیت اور ترنم کا حسین مرقع ہے۔ تحت اللفظ پڑھیئے تو بھی ترنم پیدا ہو جاتا ہے۔ گیارہویں شعر کے متعلق بعض معترض کہتے ہیں کہ اس میں حضور کو اوّل و آخر کہہ کر قرآنِ حکیم کی اس آیت کی تکذیب کی گئی ہے کہ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (وہی اللہ ہی اوّل اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے)

۱۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ (اللہ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا)

۲۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ (میں نبی تھا اور حضرت آدم اس وقت مٹی اور پانی میں تھے) آخر سے مراد آخری نبی ہے اور خود قرآن حکیم نے آپ کو خاتم النبیین قرار دیا ہے۔ اسی حقیقتِ ثابتہ کو علامہ اقبال نے ان اشعار میں بیان کیا ہے ؎

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

مولانا احمد رضا خان نے معراج کے موضوع پر جو کچھ کہا ہے اس کی شان نرالی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پہ جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کیلئے تھے

یہ جوت پڑی تھی اُن کے رخ کی عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے

خوشی کے بادل امنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آ رہے تھے

اتار کر ان کے رخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

وہاں کی پوشاک زیب تن کی یہاں کا جوڑا بڑھا چکے تھے
نہلانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے

اٹھی جو گردِ رہِ منوّر وہ نور برسا کہ راستے بھر
گھرے تھے بادل بھرے تھے جل تھل امنڈ کے جنگل ابل رہے تھے

بُراق کے نقش سم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن مہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں معنیٔ اوّل آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

تھکے تھے روح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی، امید ٹوٹی نگاہِ حسرت کے ولولے تھے

یہی سماں تھا کہ پیکِ رحمت خبر یہ لایا کہ چلیے حضرت
تمہاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیم پر بند راستے تھے

وہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

ادھر سے تھیں نذر شہ نمازیں ادھر سے انعام خسروی ہیں
سلام و رحمت کے ہار گندھ کر گلوئے پرنور میں پڑے تھے

زبان کو انتظار گفتن تو گوش کو حسرت شنیدن
یہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا جو بات سننی تھی سن چکے تھے

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بے شمار شعراء نے سلام لکھ کر ہدیۂ عقیدت پیش کیا مگر مولانا احمد رضا خاں کے سلام کو کچھ ایسی مقبولیت نصیب ہوئی کہ آج ہر مسجد اس سے گونج رہی ہے۔ اس کے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں آپ دیکھیں گے کہ ایک ایک شعر جذب و کیف اور عشق و سرمستی کا مرقع ہے گیارہویں شعر میں قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت کی طرف انتہائی دلکش انداز میں اشارہ کیا ہے:-

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ

(مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو)

یعنی چونکہ اس شہر کی گلیوں کی خاک کو یہ شرف نصیب ہے کہ وہ تیرے مقدس قدم چومتی ہیں اس لئے میں اس شہر کی قسم کھا رہا ہوں۔

مصطفٰی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

مہر چرخ نبوت پہ روشن درود
گل باغ رسالت پہ لاکھوں سلام

شہر یار ارم تاجدار حرم
نو بہار شفاعت پہ لاکھوں سلام

صاحب رجعت شمس و شق القمر
نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام

جس کے آگے سر سروراں خم رہیں
اس سرتاج رفعت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسّم کی عادت پہ لاکھوں سلام

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

جس کے آگے کھچی گردنیں جھک گئیں
اس خدا داد شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

اشعار ذیل کو دیکھئے ان میں جذبۂ دل کی بے ساختگی، الفاظ کی روانی اور کلام کی رعنائی کے ساتھ ساتھ اس مشہور حدیث قدسی کی تشریح موجود ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (اے میرے محبوب اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو آسمانوں (کائنات) کو بھی پیدا نہ کرتا۔ یعنی یہ کائنات آپ کی بدولت معرضِ وجود میں آئی ہے)

زمین و زماں تمہارے لئے مکین و مکاں تمہارے لئے
چنین و چناں تمہارے لئے بنے دو جہاں تمہارے لئے

دہن میں زباں تمہارے لئے بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
ہم آئے یہاں تمہارے لئے اٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے

فرشتے خدم، رسول حشم، تمام امم غلامِ کرم
وجود و عدم حدوث و قدم جہاں میں عیاں تمہارے لئے

کلیم و نجی، مسیح و صفی، خلیل و رضی رسول و نبی
عتیق و وصی غنی و علی ثنا کی زباں تمہارے لئے

تمہاری چمک تمہاری دمک تمہاری جھلک، تمہاری مہک
زمین و فلک، سماک و سمک میں سکہ نشاں تمہارے لئے

وہ کنزِ نہاں یہ نور فشاں وہ کن سے عیاں یہ بزم فکاں
یہ ہر تن و جاں یہ باغِ جناں یہ سارا سماں تمہارے لئے

صبا وہ چلے کہ باغ پھلے وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لوا کے تلے ثنا میں کھلے رضاؔ کی زباں تمہارے لئے

روضۂ نبوی پر حاضر ہو کر اپنے جذبات و احساسات کا اظہار بڑے حسین انداز میں کرتے ہیں۔ دوسرے شعر کا دوسرا مصرعہ اس عاشقِ رسول کی قلبی کیفیت اور اس سرزمین کے تقدس کا غماز ہے۔ چھٹے شعر میں "سڑک" کا لفظ استعمال کیا ہے تو مقاومت کا رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ اول تو شعرا ایسا لفظ استعمال کرتے ہی نہیں اور اگر کسی نے کیا بھی ہے تو اس حسن سے ادا نہیں کر سکا۔ "شہر شفاعت نگر" کی ترکیب پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ شہر اور نگر دونوں مترادف ہیں مگر شاعر نے مدینہ طیبہ کا نام شفاعت نگر رکھ لیا ہے اور شہر کا لفظ اضافۂ وصفی کی صورت میں جیسے شہر احمد نگر کہا جائے یا شہر مدینہ حالانکہ مدینہ کے معنی بھی شہر کے ہیں۔

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے
کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے

ہاں ہاں رہِ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو
کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک در کی ہے

محبوبِ ربِّ عرش ہے اس سبز قبہ میں
پہلو میں جلوہ گاہ عتیق و عمر کی ہے

زندہ رہیں تو حاضریٔ بارگہ نصیب
مرجائیں تو حیاتِ ابد عیش گھر کی ہے

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہرِ شفاعت نگر کی ہے

عرشِ بریں پہ کیوں نہ ہو فردوس کا دماغ
اتری ہوئی شبیہہ ترے بام و در کی ہے

مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

اسی سرزمین میں سفرِ حج کے تاثرات بیان کرتے ہوئے منظر کشی اور جذبات قلبی کا بڑے حسین انداز میں اظہار کیا ہے۔ دوسرا شعر اسی سرمستی کا مرقع ہے جو اس عاشقِ رسول کے دل کی دھڑکن بن چکی ہے۔

شکر خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے
جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے

گرمی ہے تپ ہے درد ہے کلفت سفر کی ہے
ناشکر یہ تو دیکھ، عزیمت کدھر کی ہے

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیئے
اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے

آ کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضاؔ
مشتاق طبع لذّت سوزِ جگر کی ہے

مختصر بحروں میں طبع آزمائی کرنا انتہائی دشوار سمجھا جاتا ہے مگر مولانا اس میدان کے بھی مرد ہیں۔ انہوں نے چھوٹی بحروں کا انتخاب کیا اور کمال چابکدستی سے اپنی فنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ اس میدان میں خواجہ میر درد کے سوا کوئی ان کا حریف نظر نہیں آتا۔ اس سلسلے میں درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔ دوسرا شعر اس آیت کی ترجمانی کر رہا ہے وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی (اور عنقریب خدا تجھے عطا کریگا کہ تو راضی ہو جائے گا)

زہے عزت و اعتلائے محمد — کہ ہے عرشِ حق زیرِ پائے محمد
خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم — خدا چاہتا ہے رضائے محمد
دمِ نزع جاری ہو میری زباں پر — محمد محمد خدائے محمد
عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا — گروں کا سہارا عصائے محمد

خدا ان کو کس پیار سے دیکھتا ہے
جو آنکھیں ہیں محوِ لقائے محمد
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ

اس میدان میں درج ذیل اشعار کہے ہیں۔ ان میں ایسی روانی پائی جاتی ہے کہ

بے اختیار گانے کو جی چاہتا ہے ؎

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی　　سب سے بالا و والا ہمارا نبی
اپنے مولا کا پیارا ہمارا نبی　　تاجداروں کا آقا ہمارا نبی
بزمِ آخر کا شمع فروزاں ہوا　　نورِ اوّل کا جلوہ ہمارا نبی
خلق سے اولیاء، اولیاء سے رُسل　　اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی
جس نے مردہ دلوں کو دی عمرِ ابد　　ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی

غمزدوں کو رضاؔ مژدہ دیجیے کہ ہے
بے کسوں کا سہارا ہمارا نبی

اسی رنگ میں درج ذیل اشعار لکھے گئے ہیں۔ ان میں حضور سے اعانت کی درخواست کی گئی ہے۔ دوسرا شعر غلام کی بے بسی اور آقا کی بندہ نوازی کا کتنا حسین نقشہ پیش کرتا ہے۔ خاص طور پر دوسرے مصرعہ میں آقا کی تکرار، اندرونی اضطراب کا کتنا بے ساختہ اور جذباتی اظہار ہے ؎

غم ہو گئے بے شمار آقا　　بندہ ترے نثار آقا
بگڑا جاتا ہے کھیل مرا　　آقا آقا سنوار آقا
مجھ سا کوئی غمزدہ نہ ہوگا　　تم سا نہیں غمگسار آقا
گرداب میں پڑ گئی ہے کشتی　　ڈوبا ڈوبا اتار آقا
تم وہ کہ کرم کو ناز تم سے　　میں وہ کہ بدی کو عار آقا

جس کی مرضی خدا نہ ٹالے
میرا ہے وہ نامدار آقا

مولانا کے اشعار علم و عرفان کی ایک دنیا اپنے اندر پنہاں رکھتے ہیں۔ مرزا سوداؔ کے متعلق کہا گیا تھا کہ وہ الفاظ کے بادشاہ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے تھے۔۔ جس لفظ کو چاہتے شعر میں چسپاں کر دیتے اور وہاں یہ لفظ نگینہ کی طرح جڑ جاتا اگر اسے نکال کر کوئی اور لفظ استعمال کیا جاتا تو کلام کا مزہ پھیکا پڑ جاتا۔ میں مولانا کے متعلق بھی بجا طور پر کہہ سکتا ہوں کہ وہ الفاظ و معانی کے بادشاہ تھے۔ ذرا ان اشعار کو تو پڑھئے

محمد مظہر کامل ہے حق کی شانِ عزت کا نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
یہی ہے اصل عالم مادہ ایجاد خلقت کا یہاں وحدت میں برپا ہے عجب ہنگامہ کثرت کا

رضائے خستہ جوشِ بحر عصیاں سے نہ گھبرانا
کبھی تو ہاتھ آجائے گا دامن ان کی رحمت کا

مولانا احمد رضا خاں کے سوانح نگار مولانا بدرالدین احمد لکھتے ہیں کہ :۔

"آپ نے شعر و سخن کا سارا زور نعت کے میدان میں صرف کیا ہے آپ نے کبھی کسی امیر نواب یا حاکم کی مدح سرائی نہیں کی۔ ایک مرتبہ نواب ریاست نانپارہ ضلع بہرائچ (یو۔پی) کی مدح میں شاعروں نے کچھ قصائد لکھے کچھ لوگوں نے آپ کی خدمت میں گذارش کی کہ حضرت آپ بھی نواب کی مدح میں کوئی قصیدہ لکھ دیں۔ آپ نے اس کے جواب میں ایک نعت شریف لکھی جس کا مطلع یہ ہے ؎

وہ کمالِ حُسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اور مقطع میں نانپارہ کی بندش کتنے لطیف اشارے میں بیان کرتے ہیں ؎

کروں مدح اہلِ دول رضؔا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں ۔

(سوانح اعلیحضرت صفحہ ۲۶۰، ۲۶۱)

ذیل میں متذکرہ نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سرِ عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

حضور رسالت مآب میں مولانا کے عاشقانہ ترانے محض عشق و محبت کا رسمی اظہار نہیں بلکہ ان میں حقائق کے گوہر ہائے گرانمایہ بھی وافر حصہ میں موجود ہیں اور وہ نغمے جس طرح سوز و سرور، گرمی و دلنوازی اور جذب و شوق کی مختلف کیفیتوں کے مظاہر کی طاقت سے اپنے سننے والوں پر وجد طاری کر دیتے ہیں۔ اسی طرح معانی و مضامین کے لحاظ سے بھی سامعین کے سامنے حقائق و معارف، اسرار الوہیت اور رموز نبوت کے مضامین کے انبار لگا دیتے ہیں۔

امامِ اہلِ سُنّت اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ

جلسۂ یومِ رضا منعقدہ ۱۳۹۳ھ میں پڑھی گئی

حفیظ تائب

عشق بھی حسنِ متانت بھی ہیں اعلیٰ حضرت
دین کا رنگ بھی نکہت بھی ہیں اعلیٰ حضرت

مخزنِ فلسفہ ہیں، معدنِ منطق بھی ہیں
گلشنِ رشد و ہدایت بھی ہیں اعلیٰ حضرت

آپ کے فیض سے لوٹ آئی بہارِ رفتہ
موجِ بستانِ رسالت بھی ہیں اعلیٰ حضرت

آپ کی فقہی بصیرت کی ہے دُنیا قائل
فخرِ اربابِ بصیرت بھی ہیں اعلیٰ حضرت

صاحبِ حال ہیں اور شرع کے پابند بھی ہیں
والہ جدّت و ندرت بھی ہیں اعلیٰ حضرت

صرف اربابِ نظر ہی کے وہ رہبر تو نہیں
مرجعِ اہلِ طریقت بھی ہیں اعلیٰ حضرت

ایک میرے ہی تو وہ معنوی اُستاد نہیں
افسرِ مجلسِ مدحت بھی ہیں اعلیٰ حضرت

محمد سبطین شاہجہانی

حدائق بخشش کے نام

جناب سبطین شاہجہانی نے یہ نظم مرکزی مجلس رضا لاہور کے زیر اہتمام منعقدہ جلسہ یوم رضا (۱۳۹۰ھ) میں پڑھی۔

○

تری صدا سے مہکنے لگی بہار خیال
سخنوری کو عطا کر دیا جلال و جمال

شگفتہ کاریوں نے تجھ کو کورنش آئے
عقیدتوں کی مہک لالہ و سمن آئے

ترے بیاں کی مہک خلد کی ہوا کا بدل
ترے خیال سے لہکا لباسِ حسنِ غزل

ترے خیال میں جدت ترے بیاں میں فراز
ہے لفظ لفظ ترنم تو حرف حرف میں ساز

فصاحتوں کا امیں تو بلاغتوں کا نقیب
تری ادا پہ تصدق ہزار فکرِ ادیب

ازل سے تجھ کو تھا گلزارِ ذوقِ نعت ملا
اسی کرم سے ترے نام کو ثبات ملا

رضائے حق پہ کئے تو نے گامزن لاکھوں
مہک اٹھے ترے افکار سے چمن لاکھوں

سخن میں سوز بھی ہے ساز بھی محبت بھی
سخن میں فیض بھی الفت بھی ہے شرافت بھی

سخن میں عجز بھی ایماں بھی حسنِ جدت بھی
سخن میں رنگ بھی خوشبو بھی دید حسرت بھی

سخن میں گنبدِ خضرا کے دل کشا جلوے
سخن میں خانۂ کعبہ کے حق نما قصے

سخن میں درد بھی ہے خواہش حضوری بھی
سخن میں وصل بھی ہجراں بھی قرب و دوری بھی

سخن میں عشق کی لذّت ہے کربِ خنداں بھی
سخن میں کیفیتِ وارداتِ ہجراں بھی

سخن میں نور بھی منتظر بھی سازِ ہستی بھی
سخن میں وجد بھی آنسو بھی کیف و مستی بھی

سخن میں رمز و کنایہ بھی زہد و تقویٰ بھی
سخن میں عشق کی کیفیتیں بھی نغمہ بھی

سخن میں رنگِ تعلّق بھی خاکساری بھی
سخن میں اشک بھی آہیں بھی آہ و زاری بھی

سخن میں کوہِ الم چشمۂ مسرّت بھی
سخن میں ناز کا انداز بھی ندامت بھی

سخن میں حسرت و ارماں کی وارداتیں بھی
سخن میں صبحِ معطّر بھی چاندراتیں بھی

سخن میں لالۂ رنگیں بھی خلدِ خنداں بھی
سخن میں رفعتِ سدرہ بھی عرشِ تاباں بھی

سخن میں ندرتِ تشبیہ و استعارہ بھی
سخن میں لیلئ افکار جلوہ آرا بھی

سخن میں روپ بھی اور روپ کی فضائیں بھی
سخن میں پیکرِ انوار کی ضیائیں بھی

سخن میں شبنمی لفظوں کی کیف زائی بھی
سخن میں کوثر و تسنیم کی روانی بھی

سخن میں غازۂ رنگیں کی راجدھانی بھی
سخن میں عارضِ نوریں کی ارغوانی بھی

سخن میں بارشِ انوار، سیلِ نغمہ و رنگ
سخن میں سازِ محبت کا دلربا آہنگ

سخن میں لفظ کے جگنو و فکر کے تارے
سخن میں علم و ادب کے حسین نظارے

سخن میں پھول کا رس نہرِ انگبیں کا خرام
سخن میں کیف فشاں نغمۂ درود و سلام

سخن ور دل کیلئے جو ہے وجہِ صد نازش
وہی متاعِ عقیدت "حدائقِ بخشش"

تبصرے

مُرتّبہ

ظہور الدین خاںؔ

سکریٹری، مرکزی مجلس رضا، لاہور

بحمد اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف جناب ملک شیر محمد خاں اعوان کا مقالہ "مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری" ملک کے طول و عرض میں پسندیدگی اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا، ۸ ماہ کے اندر اندر اس کا پہلا اڈیشن ختم ہوگیا۔ بہت سے اخبارات و رسائل نے اس پر تبصرے شائع کئے۔ اب تک ۱۰ سے زائد تبصرے شائع ہو چکے ہیں۔

بعض تبصرہ نگاروں نے نعتیہ شاعری پر سیر حاصل لکھنے کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے چنانچہ ہماری درخواست پر جناب سیّد نور محمد قادری صاحب فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی نعتیہ شاعری پر ایک مفصل مقالہ قلم بند فرما رہے ہیں جو مستقبل قریب میں شائع کر دیا جائے گا۔

تبصرہ نگاروں میں ملک کے نامور شاعر مولانا ماہر القادری نے کچھ اور مشورے بھی دیئے ہیں، جہاں تک ممکن ہو سکا ان پر عمل کیا گیا۔ امید قوی ہے کہ یہ دوسرا اڈیشن پہلے اڈیشن سے زیادہ کامل و مکمل ہوگا اور انشاء اللہ آیندہ اڈیشن خوب سے خوب تر ہوں گے۔

اب ہم قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لئے مطبوعہ تبصرے پیش کرتے ہیں:

رسائل

۱ـــــ ماہنامہ **انوار الصوفیہ** (قصور) شمارہ اگست ۱۹۷۳ء ص ۱۹

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کا علم و فضل ان کا جملہ علوم و فنون میں تبحر آفتاب نیم روز کی طرح عیاں اور واضح ہے۔ آپ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے میدان میں بہت آگے اور دور نکل گئے۔ اتباع شریعت اور التزام سنت میں آپ کا پایہ بہت بلند اور اونچا ہے آپ کا ورع و تقویٰ آفتاب کی طرح تاباں ہے۔ آپ کا نعتیہ کلام آج ہر محفل میلاد میں پڑھا جاتا ہے۔ پڑھنے والے اور سننے والے سب ہی محظوظ و مسرور ہوتے ہیں۔ آپ کی شاعری کا کمال یہ ہے کہ آپ کا ہر شعر شریعت کے مطابق اور سنت رسول کا ترجمان ہے۔ عام دوسرے شاعروں کی طرح آپ کے قلم نے شرعی نقطۂ نگاہ سے کسی مقام پر بھی لغزش نہیں کھائی۔

۲ـــــ ماہنامہ **فیض رضا** (لائلپور) شمارہ اگست ۱۹۷۳ء ص ۳۲

زیر نظر کتاب میں ملک شیر محمد خاں اعوان نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے نعتیہ کلام کے نمونے پیش کر کے اس کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ نیز اعلیٰحضرت کے شاعرانہ کمالات کے متعلق اپنوں اور بیگانوں کی آرا بھی حوالوں کے ساتھ تحریر کر دی ہیں۔

۳ـــــ ماہنامہ ضیائے حرم (لاہور) شمارہ ستمبر ۱۹۷۳ء ص ۹۴

اردو کے نعت گو شعرا میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کا نام نامی بڑا نمایاں ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کو اللہ تعالیٰ نے عشق رسول کی بدولت اس مقام رفیع پر فائز فرمایا تھا جہاں پہنچنے والے نعت رسول کی نزاکتوں سے کما حقہ آشنا ہوتے ہیں۔ ملک شیر محمد اعوان نے بڑا اچھا کیا کہ اردو کے اس عظیم نعت گو پر ایک پُر مغز مقالہ تحریر کیا۔ اعلیٰ حضرت کی شاعری اس امر کی متقاضی ہے کہ اس پر نہایت تفصیل سے کام کیا جائے

تاہم اس قسم کے کتابچوں کو بھی غنیمت سمجھنا چاہیئے کیونکہ اُن پُر مغز مقالوں سے بھی مستقبل میں تفصیلی کام کرنے والے کو بڑی مدد مل سکتی ہے۔

(تبصرہ نگار جناب عبدالرؤف ملک)

۴ ـــــ ماہنامہ کتاب (لاہور) شمارہ اکتوبر ۱۹۷۳ء ص ۲۶

یہ ایک مختصر سا کتابچہ ہے جس میں مولانا احمد رضا خاں اور نعتیہ شاعری کی ہلکی سی جھلک پیش کی گئی ہے۔ مولانا ایک جامع کمالات شخصیت تھے۔ ان کو جذبہ حبِ رسول ورثے میں ملا تھا۔ جذبہ دل کی بے ساختگی اور حسنِ خیال ان کی شاعری کی اساس ہے۔ ان کے کلام میں تصنع کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ مولانا نے اپنے دل کی دھڑکنوں کو شعروں کی لڑی میں پرو دیا ہے۔ جذب و سکر کی کلیاں ان کی نعتیہ شاعری کے رُوم رُوم سے چٹک کر پڑتی ہیں۔

(تبصرہ نگار جناب شبیر بیگ نیاز)

اخبارات

۱ ـــــ ہفت روزہ تعمیر وطن (لاہور) شمارہ ۱۴ تا ۲۰ اگست ۱۹۷۳ء ص ۲۰

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رقمطراز ہیں کہ "مولانا محمد علی جوہر نے علامہ اقبال کے لئے کہا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے دل قرآن کی طرف پھیر دیئے لیکن مولانا احمد رضا خاں کا اعجازِ شاعری ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے دل صاحبِ قرآن کی طرف پھیر دیئے"۔ اس سے بہتر اعلیٰ حضرت بریلوی کی شاعری کی مکمل اور مختصر تشریح نہیں کی جا سکتی۔ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی جیسے عظیم عالم مفسّر، محدّث، فقیہ اور مصنف کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ وہ عاشق رسول تھے۔ اعلیٰحضرت کی زندگی کا ایک ایک لمحہ رسالت مآب کی مدح سرائی میں گذرا۔ ان کا اوڑھنا بچھونا وردِ رسول تھا۔ اس مختصر سے کتابچہ کو مرکزی مجلس رضا

نے بڑی خوبصورتی سے شائع کیا ہے۔ مجلس رضا اعلیٰ حضرت کے موضوع کی تمام کتابیں شائع کرکے مفت تقسیم کرتی ہے۔ (تبصرہ نگار جناب ایم۔ ایس۔ ناز)

۲ــــــ روزنامہ مشرق (لاہور) شمارہ ۱۹ اگست ۱۹۷۲ء

مولانا احمد رضا خاں کا شمار برصغیر پاک و ہند کے مشاہیر علماء میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اہلِ اسلام کے دلوں میں عشقِ رسول اور حبِ دینِ مصطفیٰ تازہ کرنے میں اہم خدمات انجام دی ہیں۔ مرکزی مجلس رضا نے متعدد دوسری کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی بلا معاوضہ تقسیم کرنے کے لئے شائع کی ہے۔

۳ــــــ روزنامہ جسارت (کراچی) شمارہ ۲۰ اگست ۱۹۷۲ء

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کتابچے میں بریلوی مکتبِ خیال کے مذہبی پیشوا مولانا احمد رضا خاں مرحوم و مغفور کی نعتیہ شاعری سے پاکستانی مسلمانوں کے سوادِ عامہ کو روشناس کرایا گیا ہے اور اس موضوع پر ایک مفید اعتقادی بحث اور تبصرے کے ساتھ ساتھ مولانا موصوف کی نعتیہ شاعری کے چند اچھے نمونے بھی پیش کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا کے مختلف نعتیہ کلام کی شانِ نزول بھی بتائی گئی ہے جس کی وجہ سے کلام کی پذیرائی عام قاری کے لئے اور زیادہ جذباتی اور روارداتی بن گئی ہے۔

۴ــــــ روزنامہ نوائے وقت (لاہور) شمارہ ۲۷ ستمبر ۱۹۷۲ء

حضرت مولانا موصوف کا مقام خطابت و انشا پردازی میں مخصوص ہے۔ وہ کسی تبصرہ کا محتاج نہیں ہے۔ وہ شعر بھی کہتے تھے مگر عام روش سے ہٹ کر صرف نبی کریم کی نعت تک محدود تھا۔ (تبصرہ نگار جناب محمد قیوم)

۵ــــــ روزنامہ مساوات (لاہور) شمارہ ۳ اکتوبر ۱۹۷۲ء

مرکزی مجلس رضا اپنے امام مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے متعدد ٹریکٹ شائع کر چکی ہے جس میں آپ کی حیات کے مختلف پہلوؤں پر اجمالی طور پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی

ہے۔ پہلی صف کے بزرگوں میں مولانا احمد رضا خاں کا نام بھی آتا ہے مگر آپ کے نعتیہ کلام کو اس لئے شہرت نہ ملی کہ آپ کی نعت گوئی پر آپ کی مذہبی شہرت غالب آگئی۔ لوگ آپ کو ایک فقیہ محدث اور مفسر کے طور پر یاد کرنے لگے۔ حالانکہ آپ کا نعت گوئی میں کم درجہ حاصل نہیں ہے، آپ اس پائے کے نعت گو تھے جس پلائے کے ایک عالم دین۔ مولانا کی نعتیہ شاعری پر بہت تفصیل کے ساتھ لکھا جا سکتا ہے مگر اس اجمالی تصویر سے بھی ہم ان کی نعتیہ شاعری سے بہت حد تک آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔

۶ —— پندرہ روزہ "المصطفیٰ" (گوجرانوالہ) شمارہ ۷ تا ۲۲ ستمبر ۱۹۷۳ء

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی مقدس شخصیت قابل صد احترام ہے جنہوں نے برصغیر پاک و ہند میں نعتیہ شاعری کا اپنے خلوص سے عدیم المثال عشقیہ جذبات کا تاج محل تعمیر کیا ہے۔ یہ نعتیہ شاعری ان کے اپنے نورانی ذہن کی وسعتوں کی آئینہ دار ہے —— کاروانِ اسلام کی غبارِ راہ میں عشقِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کی ان گنت داستانیں پوشیدہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے پرستارانِ توحید و رسالت کے لیے ان نعتیہ شاعری کے جذبات میں ایک مشعل نور پیش کی ہے۔ جو آنے والی نسلوں اور عاشقانِ توحید و رسالت کے لئے ایک روشنی کا مینار بن گئی اور یہی اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کا کمال ہے جو تا حشر انہیں خراجِ تحسین و ہدیہ عقیدت پیش کرتا رہے گا۔ والسلام

(تبصرہ نگار جناب احمد حسن نوری)

مطبوعات مرکزی مجلس رضا، لاہور

(۱) تجلی المشکواۃ
از اعلیٰ حضرت قدس سرہ (بلا قیمت تقسیم ہو کر ختم ہو چکی ہے)

(۲) فاضل بریلوی اور ترک موالات (طبع چہارم)
از پروفیسر محمد مسعود، ایم - اے، پی - ایچ - ڈی (پچاس پیسے کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں) -

(۳) اعلی حضرت کا فقہی مقام
از مولانا اختر شاہجہان پوری (بلاقیمت تقسیم ہو کر ختم ہوچکی ہے)

(۴) سوانح سراج الفقہا مع فتوی مبارکہ اعلی حضرت
از مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری (دو بار چھپ کر بلا قیمت تقسیم ہو چکی ہے) -

(۵) پیغامات یوم رضا (طبع دوم)
از محمد مقبول احمد قادری - تیس پیسے کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں -

(۶) فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں (طبع سوم)
از پروفیسر محمد مسعود احمد، ایم - اے، پی - ایچ - ڈی
یہ کتاب بذریعہ رجسٹری بھیجی جائے گی - اس لئے دو روپیہ کا ٹکٹ بھیجنا ضروری ہے -

(۷) مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری (طبع چہارم)
از ملک شیر محمد خان اعوان (بلا قیمت) تیس پیسے کا ٹکٹ بھیج کر طلب کریں -

(۸) المجمل المعدد لتالیفات المجدد (طبع دوم)
از علامہ ظفرالدین بہاری (بلا قیمت) تیس پیسے کا ٹکٹ بھیج کر طلب کریں -

(۹) فاضل بریلوی کا فقہی مقام (طبع دوم)
از علامہ غلام رسول سعیدی (بلا قیمت) تقسیم ہو کر ختم ہو چکی ہے -

(۱۰) محاسن کنزالایمان (طبع دوم)
از ملک شیر محمد خان اعوان - تیس پیسے کا ٹکٹ بھیج کر طلب کریں -

(۱۱) اعلی حضرت کی شاعری پر ایک نظر (طبع دوم)
از سید نور محمد قادری - تیس پیسے کا ٹکٹ بھیجیں -

(۱۲) فضائل درود و سلام
از مولانا محمد سعید شبلی (ایک بار چھپ کر تقسیم ہو چکی ہے -

(۱۳) تمہید ایمان
از اعلیٰ حضرت بریلوی (ایک بار چھپ کر تقسیم ہو چکی ہے -

(۱۴) اجلی الاعلام (عربی)
از اعلیٰ حضرت بریلوی (یہ رسالہ ترکی اور دیگر ممالک اسلامیہ میں تقسیم کیا گیا) -

مرکزی مجلس رضا

نوری مسجد، بالمقابل ریلوے اسٹیشن، لاہور